ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company

ساقی ارباب ذوق

PDF BOOK COMPANY

مدد، مشاورت، تجاویز اور شکایات :

Muhammad Husnain Siyalvi
0305-6406067
Sidrah Tahir
0334-0120123
Muhammad Saqib Riyaz
0344-7227224

مطبوعاتِ اُردو اکیڈمی لاہور

شعرستان:- شعر و سخن کا وُہ دلآویز مجموعہ جس میں حضرت اختر شیرانی کے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سانیٹ شامل ہیں۔ قیمت ۲

دھڑکنیں:- اُردو کے جوان سال اور جوان فکر شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی کے قطعات کا مجموعہ اُردو شاعری میں ایک نئے اور اچھوتے باب کا اضافہ ——— قیمت عہ/

گلبانگِ حیات:- حضرت امینِ حزیں کے دِل فریب کلام کا مجموعہ جس پر ہندوستان بھر کے اخبارات و رسائل نے شاندار ریویو کئے ہیں خوبصورت جلد ——— مجلد عاعہ/

گلچیں:- جناب حکیم نور احمد صاحب گلچیں کے کلام کا دلآویز مجموعہ۔ قیمت عاعہ/

لقلقہ:- حاجی لقلق کی سیاسی اور غیر سیاسی مزاحیہ نظموں کا پہلا مجموعہ دِل فریب لقلقی ٹائیٹل ——— مجلد عہ/

منقارِ لقلق:- حاجی لقلق کی پھڑکا دینے والی مزاحیہ نظموں کا دُوسرا مجموعہ جس میں حاجی لقلق کا رنگ بہت نمایاں ہے ——— مجلد عہ/

ڈالتا ہوں پرتوِ گلشن خس و خاشاک پر
عرش کی مہریں لگاتا ہوں جبینِ خاک پر

(جوشؔ)

دھڑکنیں

احمد ندیم قاسمی

قیمت

اردو اکیڈمی
لوہاری دروازہ لاہور

بار اول ۱۹۴۲ء ایک ہزار

ملک محمد عارف پرنٹر دین محمدی پریس لاہور سے طبع
کرا کر محمد حنیف نے اردو اکیڈمی لاہور سے شائع کی

پیشکش

ایک مدّت تک میرا یقین رہا کہ پولیس کا محکمہ، صرف تعزیراتِ ہند کے حافظوں اور جرائم کی تفتیش کی اُدھیڑ بُن سمجھنے والوں کا ایک نقّار خانہ ہے لیکن گرمیوں کی ایک اُداس شام کو جب ملتان شہر جہنّمی حبس میں گھرا ہوا تھا۔ پولیس کے ایک ایسے سب انسپکٹر سے میری ملاقات ہوئی جس نے میرا وہ یقین پاش پاش کر کے یکسر ناپید کر دیا!

ایک مدّت تک میرا یقین رہا کہ میانوالی کے رہنے والے پٹھان صرف چمکتے ہوئے برچھیوں کی اَنی اور سیٹیاں بجاتی ہوئی گولیوں کے موضوع پر باتیں کر سکتے ہیں لیکن میانوالی کے ایک نیازی پٹھان نے خشک پتوں پہ گرتی ہوئی بوندوں کے ترنّم کا

موضوع چھیڑ کر میرے اس یقین کو بھی میرے دل سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا!

ایک مدت تک میرا یقین رہا کہ دوستی کی عمارت کتنی ہی مضبوط بنیادوں پہ قائم کیوں نہ ہو، زندگی کی پے در پے کروٹوں اور مرورِ زمانہ کی تیزرنگیوں سے دب کر بیٹھ جاتی ہے، لیکن ایک دوست نے اس عمارت کو اپنی روح کا سہارا دے کر میرے اس یقین کا بھی گلا گھونٹ دیا!

میں نہیں جانتا تھا کہ میانوالی کا ایک پٹھان اور پولیس کا ایک سب انسپکٹر ٹنڈ منڈ شیشموں اور بڑ کے بوڑھے درختوں پر بیٹھی ہوئی ڈراؤنی گدھوں کی مڑی ہوئی چونچوں پر نگاہیں گاڑ کر موجودہ سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ اور بوزدہ انظام کے خلاف اتنی گہری گہری باتیں بھی سوچ سکتا ہے!

میں نہیں جانتا تھا کہ دیہاتی دوشیزاؤں کے میلے لہنگوں
آڑی ترچھی مانگوں اور گھسے پھٹے چولوں میں میرے سوا کوئی اور
شخص بھی ایسے حسن کا نظارہ کر سکتا ہے جو شہری جگمگاہٹوں
سے چندھیائی ہوئی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں!

میں نہیں جانتا تھا کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی ایک
دوست دوسرے دوست کی خوشیوں کے علاوہ دُکھوں میں
بھی شریک ہونے سے نہیں ہچکچاتا اور اپنے دوست کے ایک
آنسو پر بیس آنسو بہانے سے دل میں تسلی کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک محسوس
کرتا ہے!

لیکن اس ملتان شہر کی بھدّی سڑکوں پر ٹہلتے ہوئے مجھے
ایک شخص نے اِن سب حقائق سے آگاہ کیا اور چونکہ میں نے
کم و بیش اُنہیں حقائق کو اشعار کا جامہ پہنایا ہے۔ اس لئے

میں یہ "دھڑکنیں" اسی زندہ دل - بذلہ سنج اور مخلص دوست کے قدموں میں نچھاور کرتا ہوں - اور وہ شخص ہے :-

خان حمید اللہ خاں نیازی بی اے (علیگ)

ندیم

یکم جون ۱۹۴۱ء ملتان شہر

پیش نامہ

(از ڈاکٹر تاثیر ایم۔ اے)

حضرت احمد ندیم قاسمی کا نام اور کام محتاج تعارف نہیں۔

آپ کے اشعار اور مختصر افسانے اردو ادب کے اس دورِ جدید میں

ایک معزز و ممتاز مقام حاصل کر چکے ہیں۔

اس لئے میں اس "پیش نامہ" میں احمد ندیم قاسمی کے ادبی

کارناموں کی ستائش کرنا نہیں چاہتا۔

جو اُردو دان ان کے نام سے واقف نہیں۔اس کی

معلومات ناقص ہیں۔

جو ادیب ان کی ادبی عظمت کا منکر ہے۔اس کا ادبی ذوق

محلِ نظر ہے۔

غرض احمد ندیم نے اردو ادب میں ایک مستقل مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کا کلام قدیم و جدید ہر رنگ کے صاحبِ نظر کو پسند آتا ہے۔

ان قطعات میں ندیم نے ایک نیا تجربۂ ادبی کیا ہے۔ انہوں نے شاعری اور افسانہ کو یکجا کر دیا ہے۔ ہر قطعہ ایک نظم بھی ہے اور ایک مستقل افسانہ بھی۔ گویا یہ پرانی غزل اور نئی نظم کا امتزاج ہے۔ جس طرح غزل کا ہر شعر ایک مکمل اور مستقل حیثیت رکھتا ہے اسی طرح ہر قطعہ اپنی جگہ قائم و ثابت ہے۔ مگر یہ تمام قطعات مل کر ایک نظم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک معین و مخصوص جذباتی فضا پیدا کرتے ہیں۔

اور یہ فضا خاص پنجاب کے دیہات کی فضا ہوتے ہوئے اپنے

اندر ایک ایسی عالمگیر جاذبیّت رکھتی ہے کہ بدلیشی کو کسی قسم
کی اجنبیّت کا احساس نہیں ہوتا +

یہ قطعات حضرتِ ندیم کی شاعرانہ شخصیّت کے آئینہ دار
ہیں +

ان میں پنجاب اور اس کے بھی ایک خاص علاقہ کا رنگ
جھلکتا نظر آتا ہے۔ اس طرح کہ باہر کا کوئی شخص اس کی ترجمانی
نہ کر سکتا +

اور پھر ان میں ہندوستانیت ہی نہیں بلکہ انسانیّت کا
جوہر ہے۔ اور یہی وصف شاعری اور ادب کی جان ہے!
ندیم پر قدیم چینی اور جاپانی شاعری کا اثر نمایاں نظر
آتا ہے +

ایک چینی شاعر کا ایک خورد سال بچّہ فوت ہو گیا۔ اس

نے اس کا مرثیہ اس ایک فقرہ میں لکھا:-

"آج وہ بھونروں کی تلاش میں بہت دور نکل گیا ہے"۔

یہ مرثیہ تمام معصوم بچوں کا مرثیہ ہے خواہ وہ چینی ہوں یا فرنگی۔

ندیم کے ان قطعات میں بھی یہی جذباتی کنایہ اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے! — خصوصیت اور عمومیت دونوں!۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ ادبی تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوگا۔

تاثیر

دھڑکنیں

خموش راتوں میں جو دھڑکنیں بکھرتی رہیں
میں اُن کو ایک لڑی میں پرو کے لایا ہوں
تو اِن کو صرف اُچٹتی ہوئی نظر سے نہ دیکھ
کہ میں ستاروں سے اُڑ کر زمیں پہ آیا ہوں

میرے شعر

دوستو تم بھی آنکھیں بند کئے
اِصطلاحوں کی رَو میں بہتے ہو
یہ جوانی کے چند سپنے ہیں
تم جنہیں میرے شعر کہتے ہو

قطرۂ بے کنار

قطرہ ہوں، مجھ کو بے کنار نہ کر
رہنے دے مجھکو شرمسار نہ کر
اور اگر تُو یہ کھیل کھیلے گا
حشر میں میرا انتظار نہ کر

نوکِ خنجر

چار جانب ہے شورِ رستا خیز
سوچ میں غرق ہے دلِ پرویز
اور افلاس کے ستائے ہوئے
کرتے پھرتے ہیں نوکِ خنجر تیز

نقابِ حیات

حکمتِ اہلِ مدرسہ کا غرور
میری وحشت سے دب کے ہار گیا
تیرا گھبرا کے مُسکرا دینا
زندگی کی نقاب اُتار گیا

نغمۂ شباب

کل نصف شب کو اُٹھ کے مِرا نوجوان دوست
اِک گیت گا رہا تھا الم خیز، دردناک
جس طرح تیز و تند ہواؤں میں پھڑپھڑائے
ظالم شہنشہوں کی حریری عبا کا چاک

سجدوں کی بھیک

اِنساں کو سیدھی راہ پہ لانے کی آڑ میں
اِنسانیت کا خُون پیئے جا رہا ہے تُو
یُوں سجدے کر رہا ہے رعونت سے دَم بدَم
جیسے کِسی کو بھیک دیئے جا رہا ہے تُو

تصوّرِ حبیب

مِلگجے پردوں میں چھپ کر چاند کیا سوچا کیا
تارے کِس کی فکر میں آنکھوں کو جھپکاتے رہے
اِک مرے دِل ہی میں تھا تیرا تصوّر میرے دوست
یا زمانے بھر کو تیرے ہی خیال آتے رہے

کافر نظارے

کھجوروں کی اندھیری، کانپتی شاخوں کے پردوں سے
رسیلا چاند ٹھنڈی ریت پر چاندی بچھاتا ہے
وہ ٹیلوں سے پرے، ٹوٹی ہوئی کٹیا کی چوٹی پر
اُفق کے پاس اِک مدّھم سا تارا ٹمٹماتا ہے
پُھلا کر اپنا ننھّا سا گلا، چشمے پہ اک پنچھی
نہ جانے کس نشے میں دُکھ بھری تانیں اڑاتا ہے
مِری آنکھوں میں خوں آلود آنسو تیر آئے ہیں
مِرا دِل اے صبوحی تیری خاطر ڈوبا جاتا ہے
یہی منظر تھا جب وہ دِل دھڑکتے تھے مسرت سے
مجھے اُجڑی محبّت کا زمانہ یاد آتا ہے

ایک تمنّا

پھیکی پھیکی چاندنی ہو، ہلکا ہلکا ابر ہو
ایک جنگل میں ہوں بل کھاتے ہوئے جھرنے رواں
چار سُو پھولوں کی خوشبو سے معطر ہو فضا
اور اک بربط پہ لہراتی ہوں تیری انگلیاں

پتنگے اور شمع

ہر کوئی ہے اپنی آسائش کی دُھن میں بیقرار
اپنے ذاتی مدعا سے کوئی شئے بالا نہیں
گو پتنگوں کی شکایت بھی بجا ہے میرے دوست
شمع کے آنسو بھی کوئی پُونچھنے والا نہیں

صحرائی محبوبہ

یہ بانکی سانڈنی، چٹیل بیاباں، اونگھتی راہیں
یہ مدھم چاند کی کرنیں۔ یہ حسرت ناک خاموشی،
ترے خیمے کدھر ہیں او مری صحرائی محبوبہ!
مجھے یاد آرہی ہے تیری مست آنکھوں کی مدہوشی

امید و بیم

دم بخود ہیں گھاس پر معصوم بھیڑوں کے گلے
اور معلّق ہر طرف پرچھائیاں ہیں نیم کی
سارا عالم سو رہا ہے چادریں تانے ہوئے
کشمکش سی ہے مرے دِل میں امید و بیم کی

خیر مقدم

جانے اِس دھندلے افق پر کِس حسیں کو دیکھ کر
اپنی باہوں کو ہِلاتی ہے کھجوروں کی قطار
چاندنی کے بھیس میں اٹھکیلیاں کرتا ہوا
وہ اُتر آیا ہے ٹیلوں پر کوئی مستانہ وار

خوابیدہ چنگاریاں

میری کُٹیا میں صبُوحی کا یہ دُزدانہ وُرود
میری آنکھیں فرطِ حیرت سے جھپک کر رہ گئیں
میٹھے میٹھے درد کی سوئی ہوئی چنگاریاں
آرزو کی راکھ سے اُبھریں، بھڑک کر رہ گئیں

نشتر زنی

نرم کلیوں پر لرزتے ہیں ستارے اوس کے
مرمریں غنچوں کی خوشبوئیں ہیں محوِ خوابِ ناز،
چاند ہے یا نیلی چادر پر سنہری طشتری
جس کی صنعت پر دھڑکتا ہو دلِ آئینہ ساز
یاسمیں گنبد ہیں یا نورِ ازل کے بلبلے
دھند میں لپٹی ہوئی دنیا کے یا ابھرے ہیں راز،
نرم رَو جھونکے ہیں یا فردوس کی حوروں کے گیت
جن کے زیر و بم سے ہم آہنگ ہیں روحوں کے ساز
اس سمے مجھ پر یہ کس کافر کا سایہ چھا گیا،
کون میرے قلب میں نشتر چبھونے آگیا!

میں اور تو

مِرا سوزِ محبّت بے حقیقت
ترا نقشِ تجلّی، غیرِ فانی
مِری دنیا خزاں کا عکسِ بے رنگ
بہارِ بے خزاں تیری جوانی

دردِ بے درماں

بھلا اِس بے بسی پر رنج کیسا
بھلا یہ درد کیا درماں سے کم ہے!
وہ آئے اِس طرح بہرِ عیادت
کہ گردن خَم ہے، چشمِ ناز نَم ہے

سونا اور رونا

بادشاہوں کی معطّر خواب گاہوں میں کہاں،
وہ مزا جو بھیگی بھیگی گھاس پر سونے میں ہے،
مطمئن، بے فکر لوگوں کی ہنسی میں بھی کہاں
لطف جو اِک دوسرے کو دیکھ کر رونے میں ہے

ایک سپنا

یہ فضا، یہ بدلیاں، یہ گنگناتی ندیاں،
کاش اس بھیگے ہوئے پربت سے لہراتی ہوئی
دِھیرے دِھیرے ناچتی آئے صبوحی، — اور پھر
غائب ہو جائے کہیں میری غزل گاتی ہوئی

جامِ زرنگار

یہ وادیاں، یہ کھیت، یہ جھرنوں کی دھاریاں
یہ بدلیاں، یہ چاند، یہ کرنوں کے آبشار
میں لے رہا ہوں اپنے تصوّر کے زور سے
ساقی کے دستِ ناز سے اِک جامِ زرنگار

عکسِ جمیل

یوں مِری روح میں لرزاں ہے ترا عکسِ جمیل
دلِ مایوس میں یوں لگا ہے اُبھرتی ہے آس
ٹمٹماتا ہے وہ نوخیز ستارا جیسے
دُور مسجد کے اُس اُبھرے ہوئے مینار کے پاس

پرچھائیاں

ہوائیں سرسراتی جا رہی ہیں سبز وادی میں
نئے سورج کی کرنیں پڑ رہی ہیں کوہساروں پر
پروں کو دھو رہی ہیں ننھی چڑیاں سرد چشموں میں
تھرکتے جا رہے ہیں ہلکے ڈونگے جوئے باروں پر
دھوئیں کی پیچ کھاتی دھاریاں گاؤں پہ چھائی ہیں
حسین چرواہیاں بکھری ہوئی ہیں مرغزاروں پر
یہ چٹکی کس نے لی دل میں۔ یہ آنسو کیوں اُبل آئے
اُداسی کے دھندلکے چھا گئے سادہ نظاروں پر
اُدھر سوچ میں چہرے جھلملاتے ہیں حسینوں کے
اِدھر یہ چھائیاں منڈلا رہی ہیں کوہساروں پر

جوگ

شکستہ مقبروں میں ٹوٹتی راتوں کو اِک لڑکی
لئے ہاتھوں میں بربط، جوگ میں کچھ گنگناتی ہے
کہا کرتے ہیں چرواہے کہ جب رُکتے ہیں گیت اُسکے
تو اِک تازہ لحد سے چیخ کی آواز آتی ہے

دعوت

اِدھر آؤ۔ نہائیں جھیل کے شفّاف پانی میں
چلو۔ لہروں میں چھپ کر مست نغمے گنگنائیں ہم
اِدھر آؤ۔ بلاتی ہیں یہ بل کھاتی ہوئی راہیں
چلو۔ پربت کی چوٹی سے ستارے توڑ لائیں ہم

الف لیلہ کی ایک رات

بج رہی ہیں ہولے ہولے کارواں کی گھنٹیاں
رینگتی جاتی ہے اِک صحرا میں اونٹوں کی قطار
ایک دوشیزہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں
دیکھتی ہے جانے کیوں سوئے اُفق دیوانہ وار

آندھیاں

باغ کا شاداب سبزہ آج گرد آلود ہے
ٹہنیوں سے پھول بھی سر دُھنتے دُھنتے گر گئے
جانے کوئل نے اُنہیں کس حادثے کی دی خبر
چند دیوانے روش پر آتے آتے پھر گئے

شام کے بعد

وہ دُھندلی جھیل میں غوطہ لگا کے چھپ گیا سورج
اُداسی سنسنائی گاؤں کی تاریک گلیوں میں
اُدھر نوخیز لڑکے وادیوں میں چھُپ کے جا بیٹھے
اِدھر بھونرے دبک کر سو گئے شرمیلی کلیوں میں

ابر آلود رات

اُمڈ آئیں گھٹائیں، پڑ گئے پردے ستاروں پر
مسافر رُک گئے صحراؤں کی ویران راہوں میں
ہم اُن کی دُھن میں ٹیلوں پر کھڑے ہیں دم بخود لیکن
وہ محوِ خوابِ ہوں گے اپنی رنگیں جلوہ گاہوں میں

اِدھر اُدھر کے راز

چلا جاتا ہے دھندلے راستوں پر کوئی پردیسی
ستارا صبح کا پربت کی چوٹی پر چمکتا ہے

درختوں کی قطاریں سو رہی ہیں تنگ وادی میں
دبک کر جن کی شاخوں میں کوئی طائر چہکتا ہے

اُدھر مشرق سے پھیکے نور کا سیلاب اُمڈ آیا
اِدھر بیمار کی پلکوں پہ اک آنسو دمکتا ہے

کبھی قطرے عرق کے پھوٹنے لگتے ہیں ماتھے پر
کبھی نبضیں پھڑکتی ہیں، کبھی سینہ دھڑکتا ہے

اِدھر مرجھا رہی ہے زندگی ناکام شاعر کی
اُدھر پھولوں کی خوشبوؤں سے اِک بستر مہکتا ہے

امید کی کونپل

کرنوں کی تمازت میں دمکتے ہوئے بُندے
جھونکوں کے تھپیڑوں میں لہکتا ہوا آنچل
ہر گام پہ پازیب کا دھیما سا چھناکا
کیوں پھر سے ہری کرتی ہو امید کی کونپل

عرضِ نیازِ آخری

اے میری صبوحی تجھے اغیار کو سونپا
میں اب ترے اصرار پہ گھر لوٹ تو جاؤں
لیکن تجھے کاٹیں گے یہ ابریشمی پردے
ڈولی سے نکل آ، تجھے آنکھوں پہ بٹھاؤں

طوفانی موسم

ساون کی یہ رُت اور یہ جھونکوں کی قطاریں،
اڑتی ہوئی زلفوں میں مچلتی ہیں پھواریں،
ہیں صبح سے ندی کے کنارے پہ کھڑا ہوں
ملّاح کہاں ہیں جو مجھے پار اُتاریں،

اُمید کی قبریں

وہ چاند گھٹاؤں کی نقاب اوڑھ رہا ہے
وہ پھیل گیا گاؤں کی گلیوں میں اندھیرا،
چنگاری سی سوتے ہوئے دِل میں بھڑک اُٹھی
امّید کی قبروں کو تری یاد نے گھیرا

صبح کا تارا

وہ صبح کا تارا ہے دھندلکوں میں خراماں
یا چاند کا۔ بدلی سے ٹپکتا ہے اُجالا
یا میری صبوحی ہے کہ پنگھٹ کے کنارے
لہراتی ہے اوڑھے ہوئے نیندوں کا دوشالا

بھولے ہوئے افسانے

گزری ہوئی راتوں کے فسانے نہ سناؤ
خوابیدہ ہیں شعلے، اِنھیں تنکے نہ دِکھاؤ
مانا کہ زمانے ہیں وفا مِل نہیں سکتی
لیکن مِرے دِل پر تو یہ چرکے نہ لگاؤ

وقت کی واپسی

کل صبح کو سبز کھیتوں پہ
اِک گیت نظر کرتا جا رہا تھا،
دریا کے کنارے ایک بانکا
گھوڑے پہ سوار جا رہا تھا،
میں جھینپ گئی۔ مِرا سپاہی
پردیس سے گاؤں آ رہا تھا،
اور اپنا پرانا گیت گا کر
گاؤں سے مجھے بلا رہا تھا،
گزرا ہوا وقت ہولے ہولے
افلاک سے واپس آ رہا تھا

بوندیں۔ بادل۔ پپیہا

گرتی ہوئی بوندیں ہیں کہ پارے کی لکیریں
بادل ہے کہ بستی پہ گجردم کا دھوآں ہے
مغموم پپیہا ہے کہ بھٹکا ہوا شاعر
جو پوچھتا پھرتا ہے۔ ”کہاں ہے۔ تو کہاں ہے؟“

اُمید کی نیّا

شب بیت گئی اور وہ اب تک نہیں آئے،
کشتی مری اُمید کی یوں ڈول رہی ہے،
گویا کوئی آوارہ سی، بھٹکی ہوئی چڑیا
ڈالی پہ کسی نیم کی، پَر تول رہی ہے،

ایک کھیل

کل گاؤں سے کچھ دُور اِک افسردہ گڈریا،
اِک پیڑ کی شاخوں کو کھڑا چُوم رہا تھا،
میں بولا "یہ کیا کھیل ہے؟" کہنے لگا ہنس کر
"کچھ بوجھ سا تھا جی پہ، یونہی گھوم رہا تھا"

تن اور من

"دو بیگہ زمیں کاشت کی خاطر مجھے دے کر
تم کرتے ہو چھُپ کر مری لڑکی کو اِشارا
محنت تو بکا کرتی ہے، غیرت نہیں بکتی"
افلاس کا مارا ہوا دہقان پکارا!

محرمِ عیش

ہے رقص طوائف کا زمینڈار کے گھر پر،
پردیس سے آئے ہیں کئی یار پرانے،
وہ چند غریبوں کو گریباں سے پکڑ کر
بھیجا ہے زمینڈار نے بیگار پہ بھانے

مزدور کی جوانی

محتاج کسی کی بھی نہیں میری جوانی
مزدور ہوں کھاتا ہوں، پسینے کی کمائی
اے ریشم و کمخواب میں لپٹے ہوئے کوڑھی
کیوں تُو نے مجھے دیکھ کے یوں ناک چڑھائی

صبحِ وصل

مسافر جنگلوں میں جا رہے ہیں
پپیہے پیہو پیہو گا رہے ہیں
میں اِک وادی میں بیٹھا ہوں اکیلا
تمنّاؤں کے گُل کملا رہے ہیں،
وہ اب تک کیوں نہ آئے! کیوں نہ آئے!!
ستارے سارے بجھتے جا رہے ہیں
وہ مشرق کی طرف، پربت کے پیچھے
مناظر صبح کے لہرا رہے ہیں
نہ ہو مایوس اے دِل وہ کہیں سے
ہراساں اور پریشاں آ رہے ہیں

مسافری

یہ نیلے نیلے پہاڑوں کے لمبے لمبے سائے
یہ اُونچے اُونچے درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں
صنوبروں پہ چہکتی ہوئی حسین چڑیو،
کدھر ہے میری صبوحی کا پیارا پیارا گاؤں

تقابل

وہ پَو پھٹی وہ سمندر میں چاند ڈوب گیا،
جھلک رہے ہیں وہ مسجد کے مرمریں مینار
وہ گرم حجرے میں زاہد اُٹھا وضو کے لئے
وہ اِک کھنڈر میں تڑپنے لگا ہے اِک بیمار

نور پاشی

اُداس چاند نے بدلی کی آڑ میں ہو کر
کنارے کالی گھٹاؤں کے کر دئے روشن
شبِ فراق میں جیسے تصورِ رُخِ دوست
دلِ حزیں کے اندھیرے میں روشنی کی کرن

مظلوم کنواریاں

وہ جھلملاتا ہے بوسیدہ جھونپڑے میں چراغ
وہ کوئی دھیمے سروں میں الاپتا ہے گیت
یہ نوجوان محبّت کا نام لے لے کر
تباہ کرتے ہیں معصوم کنواریوں کی پریت

دردِ بے سبب

گلی کے موڑ پہ، بچّوں کے ایک جمگھٹ میں
کِسی نے درد بھری لَے میں "ماہیا" گایا
مجھے کِسی سے محبّت نہیں مگر اے دوست
یہ کیا ہُوا کہ دلِ بے قرار بھر آیا

انقلاب!

اُفق سے نیلی گھٹائیں اُٹھیں گرجتی ہوئی
وُہ مرغزار میں چرواہے رقص کرنے لگے
اُلٹ گئی ہے اچانک دلِ حزیں کی بساط
پُرانے داغ نئی شان سے اُبھرنے لگے

مٹی کا دیا

پھُونس کی اُجڑی ہوئی کٹیا میں مٹی کا دیا
کانپتا ہے جیسے ویرانوں میں پردیسی کا دِل
گاہے گاہے اِک پتنگا آ کے کرتا ہے طواف
جس طرح یادوں پہ لہراتی ہے رُوحِ مضمحل

نغمۂ شادی - نوحۂ غم

گونج میں شہنائیوں کی، دُھوم ہے گاؤں میں آج
پھر رہی ہیں کھیلتی، ہنستی، مچلتی، کنواریاں
دُور ویرانے میں، اِک برباد قبرستاں کے پاس
ہو رہی ہیں ایک سادہ قبر کی تیاریاں

دھندلی پگڈنڈی

شام کو کل اِک مسافر نے کیا مجھ سے سوال
"ختم ہو جاتی ہے اس وادی کی پگڈنڈی کہاں؟"
اُن دھندلکوں کی طرف میں نے اشارا کر دیا
اور بھرّائی ہوئی آواز میں بولا ــــ "وہاں"

ساون کا سحر

برس کے چھٹ گئے بادل، ہوائیں گانے لگیں
گرجتے نالوں میں چرواہیاں نہانے لگیں
وہ نیلی۔ دھوئی ہوئی گھاٹیوں سے دو کونجیں
کسی کو دُکھ بھری آواز میں بلانے لگیں

تلاشِ بے سُود

ستارہ کانپ کے ٹوٹا۔ فضا میں ڈوب گیا،
مِرے کلیجے میں جیسے کسی نے چٹکی لی
تلاشِ دوست کی یہ انتہا ہے، صد افسوس
کہ ایک ننھی سی معصوم روح کھوئی گئی

جنگل میں آگ

پہاڑی راہ سے بھیڑیں اُترتی آتی ہیں
لڑھک کے گاتے ہیں کنکر کوئی عجیب سا راگ
وہ ایک بھٹکا ہُوا۔ بد نصیب دشت نورد
جلا رہا ہے کہیں خشک ٹہنیوں کی آگ

انتظار

وہ رات ختم ہوئی تارے ٹمٹمانے لگے
وہ لے رہی ہے سحر کی حسینہ انگڑائی
میں اب بھی وادیٔ ویراں میں منتظر ہوں ترا
صبوحی کیوں تجھے وعدے کی شب نہ یاد آئی

جادو بھری رات

وہ دُور جھیل کے پانی میں تیرتا ہے چاند
پہاڑیوں کے اندھیروں پہ نور چھانے لگا
وہ ایک کھوہ میں اِک بدنصیب چرواہا
کسی کی یاد میں سرشار ہو کے گانے لگا

روشن دُھند

کھڑے ہیں کس کے اشارے سے یہ بلند پہاڑ
یہ کس کے حکم سے لہریں ہیں محوِ رقص و سرُود
یہ کون پردہ نشیں کھیلتا ہے مجھ سے مذاق
کہ میرا شوقِ تجسّس ہے سر بسر بے سُود

عبادت

خطا معاف۔ عبادت کا وقت بیت گیا
مِری امید کے شعلوں پہ اوس پڑنے دو
دوائے دردِ جگر کی تلاش ہے بے سُود
مجھے خُدا کے لئے ایڑیاں رگڑنے دو

ماضی کا مذاق

جھکی کھجور کی شاخوں سے چاند الجھنے لگا
ستارے ریت کے ذروں پہ مسکرانے لگے
وہ ایک ٹیلے کے سائے میں دو دھڑکتے دل
مذاق گزرے ہوئے وقت کا اڑانے لگے

مترنّم سرگوشیاں

یہ پچھلی رات، یہ شدمیلی چاندنی کا غبار
یہ اس غبار میں لپٹا ہوا خموش کھنڈر
کھنڈر کی اوٹ میں سرگوشیوں کی آوازیں
کہ بوندیں گرتی ہیں سارنگیوں کے تاروں پر

سائے

چھا جاتے ہیں جب زندگی پہ سائے
بن جاتے ہیں اپنے جب پرائے
ہو جاتے نہ نا امید اِنساں
آفت جو پڑے ہنسی اڑاتے

رونا

رونا مِرا کچھ بُرا نہیں ہے
شاید ترا راز مجھ پہ کھُل جاتے
روتا ہوں کہ شاید آنسوؤں سے
نظروں کا مِری حجاب دُھل جاتے

جام کی پناہ

مِلتا نہیں لطفِ شادمانی
مِٹتا نہیں دردِ زندگانی
مَیں اور کہاں پناہ ڈھونڈھوں
لانا مِرا جامِ ارغوانی

ستارے کا تبسّم

تم رُوٹھ گئے تو کچھ نہ بھائے
ہر شے مجھے کاٹنے کو آئے
وہ ایک ستارہ مُسکرایا
دِل ڈوب نہ جائے، ہائے ہائے

سربلند غلام

ہاں وقت کا بادشاہ ہے تو
ہاں تیرا غلام ہے زمانا
آزاد ہے میری روح لیکن
سیکھا نہیں میں نے سر جھکانا

شبِ جدائی

بھولے گی نہ وہ شبِ جدائی
وہ کانپ کے اُن کا سر جھکانا
آنچل پہ ٹپکنا آنسوؤں کا
تاروں کا افق پہ جھلملانا

خونی لچک

باجرے کی فصل سے چڑیاں اُڑانے کے لئے
ایک دوشیزہ کھڑی ہے کنکروں کے ڈھیر پہ
وہ جھکی — وہ ایک پتھر سنسنا کر گر گیا
کٹ گئے ہیں اُس کے جھٹکے سے مرے قلب و جگر

طُوفاں زدہ مشعل

کل یہاں پنگھٹ پہ اِک لڑکی کا ٹخنہ ٹل گیا
سر پہ اِک مٹی کی گاگر تھی شکستہ ہو گئی
اُس کی آنکھوں میں چمک سی آئی، پھر کچھ بھی نہ تھا
جیسے اِک ننھی سی مشعل آندھیوں میں کھو گئی

خوش گوار حادثہ

گرم راتوں کا حبس، سانپوں کا ڈر، جھینگر کا شور
اک کھنڈر سے ایک لڑکی جھانکتی ہے بار بار
وہ کوئی سایہ سا گلیوں میں لپکتا آ گیا
وہ اُلجھ کر رہ گئی باہوں میں زلفِ مشکبار

فریبِ نظر

اتنی نیچی وادیاں اور اتنی اُونچی چوٹیاں
اس بلندی اور پستی سے ہے کیا مقصد ترا
مضحکہ انگیز ہے یہ امتیازِ خوب و زشت
کیا یہ دھوکا ہے مری نظروں کا اے میرے خدا!

بے منزل سفر

آسماں چپ تھا، ہوا ساکن، زمیں خاموش تھی،
ایک ویراں راستے پر جا رہا تھا اک جواں
مَیں نے پُوچھا "اے مسافر کس طرف جائیگا تو"
کانپتی آواز میں بولا "مری منزل کہاں!"

دیدارِ عام

کیوں دبے پاؤں بھٹکتی ہیں ہوائیں آج رات
غرق ہیں کس کے تصوّر میں فضائیں آج رات
تم بھی اے تارو۔ اُترآؤ فرازِ کوہ میں
عام کردُوں گا صبُوحی کی ادائیں آج رات

بے خبری

وہ رات آئی۔ وہ عالم پہ خامشی چھائی
وہ اِک چٹان پہ اِک بھیڑ چڑھ کے ممیائی
تو کِس خیال میں گم تھا خموش چرواہے
کہ ایک ننھی سی جاں کی تجھے نہ یاد آئی

انقلابِ حسین

مجھے خدا کے لئے یوں پلٹ پلٹ کے نہ دیکھ
اُلٹ نہ جائے زمان و مکاں کی پہنائی،
کہ تیرے عارضِ گلگوں پہ۔ اشکِ سیمیں میں
وہ لے رہے ہیں کئی انقلاب انگڑائی

پنگھٹ کی رانی

وہ پانی بھرنے چلی اِک جوان پنہاری
وہ گورے ٹخنوں پہ پازیب جھنجھناتی ہے
غضب غضب! کہ مرے دِل کی سر زرا کھ سے پھر
کِسی کی تپتی جوانی کی آنچ آتی ہے

مختصر راتیں

ستارے ماند پڑتے جا رہے ہیں۔ صبح آ پہنچی
اندھیرا نور کے سیلاب سے گھبرا کے بہ نکلا!
صبوحی مختصر کیوں ہو گئی ہیں آج کل راتیں
تجھے میں نے ابھی تک خوب جی بھر کے نہ دیکھا تھا

دھندلا خلا

خنک جھونکے فضا پر نشہ بن کر چھائے جاتے ہیں
وہ ابھرا چاند۔ لہریں ڈھل گئیں تارے ہوئے مدھم
نہیں کچھ بے سبب دھندلے خلا میں گھورنا میرا
اک افسانہ سناتی ہے مجھے یہ چاندنی ہمدم

اُجاڑ دُنیا!

یہ اُجڑی اُجڑی راہیں اور یہ کھوئے کھوئے چرواہے
یہ زرد اور خشک سبزہ۔ بھوکی بھیڑیں اور کھلی وادی
جدھر دیکھو اُدھر وحشی بگولے رقص کرتے ہیں
صبح ہوتے ہی کیا سدھاری چھا گئی دُنیا پہ بربادی

بے پروا بدلی

اُفق پر دُور برفانی پہاڑوں سے اُٹھی بدلی
گزر کر میرے ویراں کھیت پر سے دُور جا برسی
کچھ ایسے مَیں نے دیکھا اُس طرف جیسے کوئی مفلِس
امیروں کی نگاہِ تند میں ڈھونڈھے خُدا ترسی

پردوں کی لرزش

کبھی نہ لوٹے گی بیتی ہوئی گھڑی — لیکن
تصوّرات سے دِل خوش ہیں نوعِ انساں کے
وہ کِس کے ہاتھ کے ہیں منتظر۔ خدا جانے
لرزتے رہتے ہیں پردے حریمِ جاناں کے

پیٹ۔ پیٹ!

بلک رہی ہے دمادم مشین آٹے کی
گرج رہا ہے وہ پٹڑی پہ شعلہ بار انجن
وہ تنگ باڑوں سے بھیڑیں پکارتی ہیں مجھے
کہ آج پیٹ کے کہنے پہ تج رہا ہوں وطن

غماز لب

خدا کے واسطے پیاری۔ مرے قریب نہ آ
مری ترستی ہوئی زندگی پہ رحم نہ کھا
کہ آج صبح کو دیکھا ہے تیرے ہونٹوں پر
وہ بوسہ جس میں لبِ غیر کپکپاتا تھا

سپاہی کا خط

یہ کس نے جنگ سے یہ دردناک خط لکھا
کہ آج توپ کے گولوں کی زد میں ہیں ہم لوگ
یہ کیا سبب ہے کہ باقی ہوں ہر جبیں پہ شکن
ہر ایک آنکھ میں آنسو، ہر ایک دِل میں سوگ

نوجواں راہی

وہ سبز کھیت کے اُس پار۔ اِک چٹان کے پاس
کڑکتی دھوپ میں بیٹھی ہے ایک چرواہی
پرے چٹان سے ـــ پگڈنڈیوں کے جالوں میں
بھٹکتا پھرتا ہے وہ ایک نوجواں راہی

کربِ انتظار

اجڑا اجڑا جھونپڑا - اور کھوئی کھوئی نازنیں
اُلجھے اُلجھے گیسوؤں میں بھیگی بھیگی انکھڑیاں
جب کوئی چڑیا بھی اُڑتی ہے تو چونک اُٹھتی ہے وہ
اور چھا جاتی ہیں عارض پر شفق کی سُرخیاں

کیفِ خلوت

یہ لبِ دریا - یہ بھیگی گھاس ، اور یہ وقتِ شب
سرسراتی ہے ہوا اور ناچتا ہے میرا دِل
اب تو خلوت میں بھی جلوت کا مزا آنے لگا
نازنیں پیکر سا اِک رقصاں ہے دِل کے متّصل

ہراساں آرزو

بادلوں کو چیر کر نکلی ہے اِک چنچل کرن
لوٹتی ہے ایک دوشیزہ کے سیمیں پاؤں میں
جس کی آنکھیں بند ہیں اور اِک ہراساں آرزو
مضطرب ہے لانبے لانبے گیسوؤں کی چھاؤں میں

ھل من مزید

جاؤ اب میں نے بھی تم سے بے نیازی سیکھ لی
جاؤ اب میری نظر کو بھی نہیں ہے شوقِ دید
لیکن اِک لمحہ مرے دِل پر تو رکھنا اپنا ہاتھ
یہ کہاں سے اُٹھ رہا ہے نغمۂ ھل من مزید

مٹی کا کھلونا

اے مرے مدّت کے بچھڑے دوستو، اِس دہر میں
جُز غبارِ راہِ منزل اور کچھ حاصل نہیں
میں کچھ اِس نفرت سے ہر محفل میں ٹھکرایا گیا
اب مرے پہلو میں اِک مٹی کا بُت ہے، دِل نہیں

جوانانِ ہند

صحن میں مٹی کی اِک ڈھیری سے باصد اضطراب
ایک چڑیا کر رہی ہے دانے دُنکے کی تلاش
زندگی تیری ہے اے چڑیا، عمل کی زندگی
کھانا اور سونا ہے ہم ہندی جوانوں کی معاش

قبر سے

کچل کر خاک کر دے نعش میری
غلام اور پاک مٹی میں بسیرا
غلامی کا تعفّن! — توبہ توبہ،
اگل کر پھینک دے تابوت میرا

وہاں اور یہاں

اُدھر بارود اور گولوں کے انبار
اِدھر تسبیح کے دانوں کی کھٹ کھٹ
اُدھر آفاق گیری کے ارادے
اِدھر دل میں سکوں، چہرے پہ جوبن

ادبِ غلامان

غلاموں کا ادب! استغفراللہ
اسے لِلّٰہ نذرِ جنگ کردو
نئے نغمے نئی تانوں ہیں گاؤ
پرانی بدعتوں سے جنگ کردو

ذکرِ ماضی

خدا کے واسطے خاموش اے دوست
لطافت میری آزادی کی کھودی
کیا کیوں یاد پھر دورِ غلامی
کلیجے میں مرے سوئی چبھودی

مرحُوم محبُوبہ

جا رہی ہیں پانی بھرنے کے لئے پنہاریاں
گا رہے ہیں چند چرواہے ترانے دُکھ بھرے
اے مری مرحوم محبُوبہ، ترے کمزور ہاتھ
مَیں نے لہراتے ہوئے دیکھے گھٹاؤں کے پرے

آن دیکھا پریتم

وُہ افق سے ایک بدلی نے اُٹھایا اپنا سر
نیم کی شاخوں میں لہرانے لگی ٹھنڈی ہوا
دیکھتا ہوں کچھ، مگر محسوس کر سکتا نہیں،
میرے دِل سے یہ نکل کر کون باہر آ گیا؟

چشمِ شرمگیں

نیم کی شاخوں ہیں جھولوں پہ ملاریں اب کہاں
اے صبوحی - اب تو ساون کا مہینہ جا چکا
تو نہ آسکتی تھی، یہ مانا کہ تو مجبور تھی !
سر اُٹھا، آنکھیں ملا، میں تیرا مقصد پا چکا

میرے شبستان

ہاں انہیں مڑتی ہوئی راہوں پہ اکثر وقتِ شب
ہم اُڑا کرتے تھے ہو کر مست اُونٹوں پر سوار
اِس کھنڈر میں بیٹھ کر آنسو بہائے بے سبب
اُن چٹانوں پہ کھڑے ہو کر ہنسے بے اختیار

پردیسی کی پیت

سُن رہا ہوں دیر سے چکی کی افسردہ صدا
اِس صدا میں ایک چرواہی کا کھویا کھویا گیت
دِل چُرا کر۔ ہائے، جا بستے ہیں کیوں پردیس ہیں
کِتنی وحشت ناک ہے ہم بے وفا مَردوں کی پیت

پاداش

رات بھر سینے میں اِک بے نام سی اُلجھن رہی
رات بھر کرتی رہیں آنکھیں ستاروں کو شمار
کیا کسی زہرہ جبیں کو دیکھ لینا جُرم ہے
اُف وہ دیرانہ، وہ چرواہی۔ وہ چشمِ مے گسار

فریبِ نگاہ

کِس لئے صیاد چُن دیتے ہیں کلیاں دام پر
کیوں جہنّم پر ہے جنّت کی بہاروں کا حجاب
لطف کے پردے میں کیوں ترچھی نگاہیں ڈال کر
میری نیندیں لوٹ لیتی ہے وہ چشمِ نیم خواب

تعجّب!

کیا ہی جلووں کی تابانی ہے، قرباں جائیے،
کلبۂ غم ہو گیا تاریک سے تاریک تر
کیا ہی ہے ناز۔ کیا یہ ہے ادائے دلبری
دِل ہیں چھُپ کر دِل کی دَھڑکن سے ہو یکسر بیخبر

ہائے!

میری بدحالی پہ جانے کتنی آنکھیں روئی ہیں
میری ناکامی پہ تھرّائے ہیں سینے بے شمار
ہائے وُہ آنکھیں جو سب کچھ دیکھ کر بیگانہ ہیں
ہائے وہ سینہ نہیں جو میرے غم کا رازدار

بیچین ساربان

کیا ہوئیں اے دوستو میلے پہ جانے والیاں
مَیں کجاوے کس کے بیٹھا ہوں اندھیری رات میں
کاش کہ آتا صبوحی کو کہ مَیں باہر ہوں آج
ہائے یہ دس کوس کا لمبا سفر برسات میں

منظرِ جھولا

عید کا دِن ہے فضا میں گونجتے ہیں قہقہے
جھولتی ہیں لڑکیاں جھولوں پہ، گاتی ہیں ملہار
میرا جھولا جس سے ہیں لپٹے ہوئے سرسوں کے پھول
دیکھتا ہے اِک گلی کے موڑ کو دیوانہ وار

ناصحِ مشفق

کل مجھے پنگھٹ پہ اِک بڑھیا نے ہولے سے کہا
رنگ کیوں پیلا ہے تیرا سست کیوں ہے تیری چال
وہ صبوحی گاگریں بھر کر کھڑی ہے دم بخود
گاگر اُس کے سر پہ رکھ، گھونگھٹ ذرا سا کھینچ ڈال"

داغدار آنچل

رَن میں جانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں جواں
مچھلیاں اُبھری ہوئی شانوں کی۔ سینے بے قرار
وُہ چھتوں پر چڑھ رہی ہیں بھولی بھالی لڑکیاں
آنسوؤں سے صاف آنچل ہو رہے ہیں داغدار

وُرودِ مسعُود

آج چوراہے پہ گاؤں کے ہے جمگھٹ کس لئے!
رَن سے شاید واپس آیا ہے کوئی بانکا جواں
جھونپڑی سے ہولے ہولے وہ کسی کا سَر اُٹھا
خشک لب، زلفیں پریشاں، چہرہ فق آنسو رواں

چار راز!

ولولوں کا نقیب عہدِ شباب
اور پیری ہے منبر و محراب
یہ جہاں ہے تغیّرات کا نام
زندگانی ہے رعشۂ سیماب

ساحل نشیں

دِل جو اِک دن تھا گرمیٔ محفل
کب کا ہے منتظر لبِ ساحل
جب کوئی موج سر اٹھاتی ہے
آہ بھرتا ہے اِک بصد مشکل

ایک التجا

روندتا ہے مجھے جہاں تیرا
میرے ہونے میں کیا زیاں تیرا
مجھ سے دوری تجھے نہیں پھبتی
مَیں تو ہوں ایک ترجماں تیرا

نفرت کا سبب

قہر ہے رسمِ آشیاں بندی
اور اِس پر فضا کی پابندی
بندہ بندے کا احترام کرے
گرچہ چکھے لذتِ خداوندی،

نگاہِ بلند

کس قدر ہے بلند میرا مقام
نقشِ پا ہے مرا یہ ماہِ تمام
عرش کے اس طرف ہے میرا وطن
میرے مذہب میں بے بسی ہے حرام

درگزر

تجھ سے کس کو گِلا ہے میرے رفیق
مدّتوں سے ہے یہ جہاں کا طریق
فاش کر کے فریبِ زندیقی
بن گیا ہوں میں کافر و زندیق

بے وفا مُرغا

گاؤں کے گھورے پہ مُرغے نے اکڑ کر دی اذاں
مرغیاں ڈربے میں کلکائیں کہ جانے کیا ہُوا
دوڑ کر آئیں۔ مگر چل دیں یہ منظر دیکھ کر
اِک نئی مرغی کے پہلو میں ہے وُہ بیٹھا ہُوا

انکھڑیوں کی زبان

دِن ڈھلے کل گاؤں سے باہر چنوں کے کھیت میں
مَیں نے دیکھا ایک دوشیزہ کو کچھ گاتے ہوئے
میری جانب دیکھتے ہی کانپ اُٹھی۔ جانے لگی
انکھڑیاں کچھ کہ گئیں موتی سے برساتے ہوئے

ماضی کی چٹکی

کل مجھے کھیتوں میں اِک مردِ معمّر نے کہا
"چلچلاتی دُھوپ میں آوارہ کیوں پھرتا ہے تو!
ہائے میں غفلت میں کیا واہی تباہی بک گیا
مَیں بھی اس سِن میں پھرا کرتا تھا اکثر کُو بکُو"

لُطفِ ناتمام

چھت سے یُوں آنچل ہلا دینا بھی کوئی بات ہے
آمری باہوں پہ بکھرا دے اندھیری کاکلیں
سارا عالم دم بخودِ ہے، رات ہے، برسات ہے
آ اکٹھے طے کریں کون و مکاں کی منزلیں

اِستقبال

کچّی دیواروں پہ رقصاں ہے دِیئے کی روشنی
چھت کے اک سوراخ سے اُٹھتا ہے رہ رہ کر دھُوآں
کس کی آمد ہے کہ دروازے پہ ہیں بیٹھے ہوئے
بھولے بچے مست دوشیزائیں اور بانکے جواں

چاند کے سجدے

آ رہی ہے نیم کی شاخوں سے چھن کر چاندنی
چومتی ہے تیرے پائے یاسمیں کو بار بار
میری مجبوری کا کیا رونا کہ مَیں انسان ہوں
چاند بھی سجدوں کی خاطر ہو رہا ہے بے قرار

خوشِ آئند

دُور وُہ ننھے اسٹیشن پہ اِک گاڑی رُکی
سِینہ تانے اِک جواں آتا ہے کس انداز سے
پاس ہی بوڑھی سی بیری کے تلے اِک خُوبرو
جھینپتی۔ ڈرتی۔ سمٹتی، اُٹھ رہی ہے ناز سے

نشاط زدہ

گھاس کے میداں میں اڑتی جا رہی ہیں ہرنیاں
ہانپتے جاتے ہیں بندوقیں اُٹھائے نوجواں
دیکھ کر یُوں اپنے محکوموں کو مصرُوفِ نشاط
دیوِ استبداد کے نتھنوں سے اٹھتا ہے دُھواں

ووٹ!

دیکھنا! اِک بوڑھے دہقانی نے موٹر روک لی
اِک رئیس اُترا ہے برساتا ہوُا نخوت کی بھاپ
"کیا شکایت ہے؟" وہ چلّایا — وُہ بوڑھا رو دیا
"ووٹ لے لیتے ہیں اور روٹی نہیں دیتے ہیں آپ!"

ہمہ گیر غم

جھاڑیاں کملا گئیں اور کھیت سونے ہو گئے
اڑتے پھرتے ہیں بگولے جھونپڑوں کے آس پاس
اے صبوحی تجھ کو جاتا دیکھ کر پردیس میں
اِک مرا دِل بُجھ گیا یا ہو گئی دنیا اُداس

سحر

گائیں ڈکراتی ہوئی پگ ڈنڈیوں پہ آگئیں
مُرلیاں ہاتھوں میں لیکر مست چرواہے بڑھے
بیریوں کے دُھندلے سایوں میں کھڑا ہوں منتظر
ایک لڑکی کو گزرنا ہے یہاں سے دِن چڑھے

شبابِ مجسّم

گوری باہوں پہ یہ دھانی چوڑیوں کی آن بان
کالی زلفوں پر گلابی اوڑھنی کی آب و تاب
ہر قدم پہ نقرئی خلخال کے نغموں کی لہر
کیا صبُوحی میں مجسّم ہو گئی رُوحِ شباب

حُسنِ مایوس

آندھیوں کے تُندرو جھونکوں سے گھبرائی ہوئی
دیر تک کلیوں کی شمعوں نے جب اپنا سَر دُھنا
خلوتِ دِل میں اُٹھی بے بَس صبُوحی کی صدا
"کِس نے مجھ دُکھیا کا اِس سنسار میں دُکھڑا سُنا!"

زندگی کا کھیل

ہائے کیوں فطرت کو معصوموں پہ رحم آتا نہیں
مختصر ہے کِس قدر یہ زندگی کا کھیل بھی
سو رہی ہے ایک سادہ سی لحد میں بے خبر
وہ حسیں لڑکی جو کل کھیتوں میں محوِ رقص تھی!

تبسّمِ نگاہ

کھڑکھڑاتی ڈول وہ اندھے کوئیں میں گرِ گئی
دم بخودِ پنہاریاں کنگن گھماتی رہ گئیں
وہ لپک کر ایک چرواہا کوئیں میں گھس گیا
وہ صبُوحی کی نگاہیں مُسکراتی رہ گئیں

معصوم نخچیر

پربتوں پہ ہر طرف شہری شکاری آئے ہیں
شہریوں کے دَم سے ہر گاؤں پہ رونق چھائی ہے
ایک لڑکی جس کو تاروں سے بھی آتا تھا حجاب
نصف شب کو کس کے جنگل سے نکل کر آئی ہے،

جانے کہاں!

لڑکیاں چنتی ہیں گیہوں کی سنہری بالیاں
کاٹتے ہیں گھاس مینڈھوں پر سے بانکے نوجواں
ایک لڑکی پست قد بیری کی ہلکی چھاؤں میں
دیکھتی ہے گھاس پر لیٹی ہوئی جانے کہاں!

ووٹ کی خرید و فروخت

کھیلتے ہیں گاؤں میں دو اہلِ زر ووٹوں کا کھیل
اور دھڑک اٹھتے ہیں دل ہر مختصر پرچی کے ساتھ
اُف مرا افلاس۔ مری روح بِک جانے کو ہے
کس نے یہ چاندی کی ٹکیوں میں ڈبوئے میرے ہاتھ

خوابِ آلود حقیقت

محوِ کیفِ شراب رہنے دے
سَر پھرا ہوں خراب رہنے دے
نہ اُلٹ زندگی کے پردوں کو
اِس حقیقت کو خواب رہنے دے

مزارِ شباب

دھندلے محراب میں ہے خوابیدہ
داستاں میری زندگانی کی
اپنے دربار میں چراغ جلا
یہ لحد ہے مِری جوانی کی

رحمت کا پاس

سر پہ اپنے پہاڑ دھر لوں گا
اور کانٹوں سے جیب بھر لوں گا
حرف آئے نہ تیری رحمت پر
مَیں تو دوزخ قبول کر لوں گا

اُڑتے ہوئے تنکے

دوپہر — لُو — غبار — خاموشی
تنکے یوں اُڑ رہے ہیں گلیوں میں
جیسے مرحُوم باپ کی دولت
نوجوانوں کی رنگ رلیوں میں

گردِ کارواں

کارواں گُم ہے گرد باقی ہے
تُم گئے ۔ آہِ سرد باقی ہے
دِل میں اُمید کا نشاں نہ رہا
میٹھا میٹھا سا درد باقی ہے

محلوں کے سائے

اونچے محلوں کے سرد سائے میں
لہلہاتے ہیں رنگ رنگ کے پھول
چند مفلس سڑک کے دونوں طرف
سوتے ہیں پھانکتے ہیں تپتی دھول

آنسوؤں کے مزار

میرے دیوانہ وار ہنسنے پر
میرے بدخواہ مجھ سے بدظن ہیں
یہ مِرے قہقہے نہیں، لیکن
یہ مِرے آنسوؤں کے مدفن ہیں

سَب جھُوٹ!!

بجلیاں کڑکیں۔ آندھیاں آئیں
چاند تارے کے پاس رہتا ہے
وہ مجھے چھوڑ کر سدھار گئے
کون کہتا ہے! کون کہتا ہے!

خبردار!

اوڑھنی سے نہ پُونچھ اشکوں کو
دیکھ بھانڈا نہ پھُوٹ جائے کہیں
اتنی پتھریلی راہ پر یہ چال!
دیکھ گاگر نہ ٹوٹ جائے کہیں

تاروں کے اشارے

شب کی تاریکیوں میں تاروں نے
مجھ سے چپ چاپ کچھ اشارے کئے
یک بیک میرے دِل کی ظلمت میں
ٹمٹمانے لگے اُداس دِیئے!

ایک مذاق

گو ضرورت نہیں مجھے اس کی
دِل کو اِک بار پھر اُبھرنے دے
موت کا وقت جب مقرر ہے
زندگی سے مذاق کرنے دے

مَیں نہ بھولونگا

کانٹوں میں لوٹتا پھروں گا مَیں
خون پی لوں گا آگ چھُو لُوں گا
بھُولنے والے تیری بھُول مگر
مَیں نہ بھُولوں گا۔ مَیں نہ بھُولوں گا

راضی برضا

مری فریاد سے ماتھے پہ یہ چتون کیسی
یہ بھی اِک ناز ہے تیرا تو میں صدقے اِس کے
پردے سرکا کے بھی پردے میں چھُپے رہنا کیا
یہ بھی انداز ہے تیرا تو میں صدقے اِس کے

گاتے ہوئے راز

گیت سُننے کی طبیعت میں اُمنگ اُٹھتے ہی
مَیں نے اِک مست مغنّی کو کہا — "ہاں کچھ گا"
جانے کیا گا یا تھا اُس نے کہ معاً جھلّا کر
مَیں پُکارا — "یہ مرے راز ہیں اے شعلہ نوا!"

عکسِ لرزاں

یوں مری رُوح میں لرزاں ہے ترا عکسِ جمیل
دلِ مایوس میں یوں لگا ہے اُبھرتی ہے آس
ٹمٹماتا ہے وہ نو خیز ستارا جیسے
دُور مسجد کے اُس اُبھرے ہوئے مینار کے پاس

عید کا روگ

عید کا روز تھا سب پیر و جواں ہنستے رہے
لڑکیاں گاتی رہیں نیم کے چھتناروں میں
ٹکٹکی باندھے ہوئے محو رہی میری اُمید
دُور افق پار کے اُجڑے ہوئے نظّاروں میں

سراپا

تیری زلفیں ہیں کہ ساون کی گھٹا چھائی ہے
تیرے عارض ہیں کہ پھولوں کو ہنسی آئی ہے
یہ ترا جسم ہے یا صبح کی شہزادی کی
ظلمتِ شب سے اُلجھتی ہوئی انگڑائی ہے

خواب

کس کی سانسوں کے لمس سے مرے لب جلتے ہیں
کس کا دامن مرے دامن سے اُلجھ جاتا ہے
کس کی باہیں مری گردن میں حمائل ہیں ندیم
شام پڑتے ہی یہ کیا خواب نظر آتا ہے

مسکراتی ہوئی پٹڑی

گھس گئی ہے وہ سُرنگوں میں لچک کر گاڑی
اور فضاؤں میں معلّق ہے دُہ انجن کا دھواں
جانے کیوں ایک حسین اور پریشاں لڑکی
دیکھتی ہے وہ چمکتی ہوئی پٹڑی کا سماں

حیا!

آج پنگھٹ پہ یہ گاتا ہوا کون آ نکلا،
لڑکیاں گاگریں بھرتی ہوئی گھبرا سی گئیں
اوڑھنی سر پہ جما کر وہ صبوحی اُٹھی
آنکھیں دو چار ہوئیں جھک گئیں شرما سی گئیں

آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل

مرا پردیس میں جانے کا یہ مطلب تو نہ تھا
کہ کسی اور کے پہلو کو تم آباد کرو
دل میں احساس کا اک ذرّہ بھی باقی ہے اگر
چبیت کی چاندنی راتوں کو ذرا یاد کرو

بے سُود دُعائیں

کیوں مرے جینے کی دِن رات دُعا مانگتی ہو،
جنگ میں خاک بنے کوئی مرا رکھوالا
آج کل ہی کوئی خط آئے گا اور سُن لوگی
توپ نے ایک سپاہی کو بھسم کر ڈالا

رخصت!

بوڑھے ماں باپ بلکتے ہوئے گھر کو پلٹے
چونک اُٹھتے ہیں وہ شہنائی بجانے والے
اُف بچھڑتی ہوئی دوشیزہ کے نالوں کا اثر
ڈولتے جاتے ہیں ڈولی کو اُٹھانے والے

حسنِ مترنم

تھاپ ڈھولک پہ وہ اِک دستِ حنائی کی پڑی
لال ہونٹوں سے وہ گیتوں کے شرارے چھوٹے
بھول سے کانوں میں تھرّائے سنہری بندے
ٹمٹماتے ہوئے تارے وہ اُفق پر ٹوٹے

لذّتِ گریہ

رات تاریک۔ ہوا تُند۔ گھٹائیں بد مست
کوئی بجلی کی طرح قلب میں بل کھاتا ہے
اُف یہ گنجان درختوں کا اکیلا جُھرمٹ
مجھے تنہائی کے رونے میں سرور آتا ہے

سیلابِ جمال

سر پہ گاگر ہے، لچکتی ہے کمر رہ رہ کر
تر کیئے دیتا ہے زلفوں کو چھلکتا پانی
ننھی سی دھار وہ گردن سے تھرک کر لپکی
ساری دُنیا کو ڈبو دینے کی تُو نے ٹھانی

بے پروا جوانی

یاد ہے یاد ہے اب بھی ترا بے باک شباب
سرخ گاگر کو انگوٹھی سے بجا کر گانا
سر اُٹھاتے ہوئے آنچل کا کھسک کر گرنا
چھاج پُھٹکاتے ہوئے زلف کا لہرا جانا

افسانۂ نقشِ پا

وقت پہ کاش پہنچتا مرا راہوار یہاں
لیکن اس دشت میں اب بھی تو ہے رنگینی سی
یہ نقوشِ قدم اتنا تو بتاتے ہیں مجھے
کہ پلٹ کر وہ کہیں دیکھ کے چل دیتی تھی!

حیاتِ نوَ

ہائے یہ کالی گھٹاؤں کا گرجنا بار بار
ہائے یہ کھپریل کے چھپر پہ بوندوں کا ملار
ہائے یہ بھیگے ہوئے آنچل میں سمٹی بجلیاں
تن گئے ہیں یک بیک میرے شکستہ دِل کے تار

موہُوم آواز

رُوح کے پرُ ہول ویرانوں میں پچھلی رات کو
تیرَتی ہے ایک دوشیزہ کی یہ موہُوم لَے
رُاہ تکتی ہوں ترا بیٹھی ہوئی پردیس میں
تو مجھے دھوکا نہیں دے گا۔ مجھے معلوم ہے!

اُمّیدوں کے کھنڈر

ہائے یہ میری جنوں ساماں محبّت کے کھنڈر
جیسے اِک بوسیدہ ایواں کے شکستہ بام و در
ہائے یہ گزری ہوئی گھڑیوں کا لحنِ دل خراش
جیسے اُلّو کی صداؤں کا فضاؤں پہ اثر

افسانۂ محبّت

کِس قدر بدنام ہیں میری جنوں سامانیاں
اور کتنی مختصر سی داستانِ عشق ہے
وہ نگاہوں کا تصادم! وہ لبوں کی کپکپی
اور وہ کانسی کی گاگر کا چھلکنا پے بہ پے،

دردِ تنہائی

آہ اے بھٹکے ہوئے بے کس مسافر یوں نہ رو
دردِ تنہائی سے ہے تیرا دلِ مایوس چُور
دیکھ اُن ٹیلوں کی جانب اُن بگولوں کے قریب
اتنے لمبے چوڑے ویرانے میں وُہ تنہا کھجُور

لے کی مے

ہائے وہ سارنگیوں کے تار وُہ تانیں تزی
اُف حنا آلُود پوروں کا وہ رقصِ بے خودی
چھا رہی ہے چرخ کے تاروں پہ بن کر موجِ نورُ
زندگی، موسیقیوں کے جال میں لپٹی ہوئی

نیند کی پریاں

ہرتی پھرتی راہ کے دونوں طرف پیڑوں کے سائے
اور سایوں کے تلے سوئی ہوئی چرواہیاں
تند رو جھونکو ذرا آہستہ آہستہ چلو
بھاگ جائیں نیند کی پریاں نہ سوئے آسماں

طوفان

وہ ہوا چلنے لگی۔ وہ کشتیاں اُڑنے لگیں
تن گئی ہیں رسّیاں اور بھر گئے ہیں بادباں
یوں ہی جب تم دور کھیتوں سے بلاتی ہو مجھے
جاگ اُٹھتی ہیں مرے قلب و جگر میں بجلیاں

بے نیازی

مجھے احباب کی چارہ گری سے
نہیں آتی ہے بُوئے دِل نوازی
مجھے ناکام کر کے زِندگی میں
عطا کر دی ادائے بے نیازی

بخشش

کِسی کے ہاتھ میں تُو نے تھما دِیں
غریبوں کے مقدّر کی لگامیں
کِسی بدبخت کو بخشیں بصد ناز
فسُردہ صبحیں اور پژمُردہ شامیں

روشنی اور سائے

اُدھر ابریشمی ملبوس کی دُھن
اِدھر دھجی پہ دھجی چڑھ رہی ہے
اُدھر گلرنگ رُخساروں پہ غازہ
اِدھر چہروں کی زردی بڑھ رہی ہے

عنایتِ بے پایاں

اگرچہ زندگی ہے چاک در چاک
جسے تارِ نفس سے سی رہا ہوں
مگر کچھ کم نہیں تیری عنایت
محبت کر رہا ہوں۔ جی رہا ہوں

لَے کی خراش

تری مدہوش لَے یُوں ڈالتی ہے
خراشیں سطحِ احساسِ نہاں پر
کہ جیسے نصف شب کی خامشی میں
ستارے ٹوٹتے ہیں آسماں پر

معیارِ افکار

ترے معیار پر پُوری نہ اُتری
مرے افکار کی گردُوں پسندی
کہ تو اُن پستیوں پر خندہ زن ہے
نظر آئی مجھے جن میں بلندی

بے دِلی

نظر آئی نہ اب تک منزلِ دوست
اگرچہ کام کچھ مشکل نہیں تھا
بایں ذوقِ طلب یہ نامرادی!
مرے سینے میں شاید دِل نہیں تھا

تب اور اب

یہ تب کی بات ہے جب ہم جواں تھے
مگر اے ہم سفر یہ درد اب کیوں!
اندھیری گھاٹیوں میں گونجتے ہیں
پرانے نالہ ہائے نیم شب کیوں!

اُن دِنوں

یہی ھنگامۂ سود و زیاں تھا
یہی بے رنگ اور بے رس جہاں تھا
یہی میں تھا۔ یہی تم تھے۔ ولیکن
نہ جانے اُن دِنوں یہ دِل کہاں تھا

میرا وطن

یہاں اِک کھیل ہے ذوقِ عبادت
مجھے دَیر کہن سے دُور لے جاؤ!
کوئی سُنتا نہیں، دِل لاکھ دَھڑکے
مجھے میرے وطن سے دُور لے جاؤ

تمہارا ندیم

جسے ہر شعر پہ دیتے تھے تم داد
وُہی رنگیں نوا خونیں نوا ہے،
اب اُن رنگوں کے نیچے دھیرے دھیرے
لہُو کا ایک دریا بہ رہا ہے!

مُسافر

دھڑکتا دل دے۔ توفیقِ سفر دے
مقامِ جستجو پاؤں نہ پاؤں
جہاں سے کارواں گزرا تھا تیرا
مَیں اُن راہوں کو جا کر دیکھ آؤں

خشک تپش

وہ طاق پہ جلتی ہوئی اِک زرد سی مشعل
چوکھٹ پہ برستے ہوئے وہ برف کے گالے
پردیس میں بیٹھی ہوئی بے فکر صبوحی
کوئی نہیں ایسا جو مجھے آج سنبھالے!

آنچل کا اشارہ

لہرائیں سرِ شام مساجد میں اذانیں
تھرّائیں دھندلکوں میں چراغوں کی زبانیں
چھت سے مجھے آنچل کا اشارا ہی بہت ہے
بے شک وہ مری اور کوئی بات نہ مانیں

بھوکوں کے ووٹ

دِل کہتا ہے اُس شخص کو مَیں ووٹ نہ دُوں گا
جو لذّتِ افلاس سے بے گانہ ہے اب تک
لیکن یہ صدا پیٹ مِرا سُن نہیں سکتا
جو بھوک کے طوفان میں دیوانہ ہے اب تک

اوسانڈنی سوار

ٹیلوں پہ لپکتے ہوئے اوسانڈنی والے
جب دُور افق پر مِری منزل سے گزرنا
کہنا: "تری دُوری اُسے جینے نہیں دیتی
اور ساتھ ہی پردیس میں بیکار ہے مرنا!"

ابابیل

وُہ تار کے اِک کھمبے پہ بیٹھی ہے ابابیل
اُڑنے کے لئے دیر سے پَر تول رہی ہے
جس طرح مِرے عشق کی ٹوٹی ہوئی کشتی
امّید کے ساحل پہ کھڑی ڈول رہی ہے

پُرانی راہ

اِس راہ پہ یہ تیز روی تنگِ سفر ہے
اِس راہ کو چبھتا ہے یہ انداز ہمارا
اِس راہ پہ اے دوست ہم آہستہ چلیں گے
اِس راہ کا ہر ذرّہ ہے ہم راز ہمارا

ایک دفعہ کا ذکر ہے!

اُن کے مِلنے کی تمنّا مِٹ چکی
اُن کا یاد آنا فسانہ ہو چکا
ہم گِنا کرتے تھے اُن زُلفوں کے خم
وہ بھی اِک دِن تھا۔ زمانہ ہو چکا

اُمّید۔ زِندگی

گو بہت پردوں میں ہے مستور تُو
پھر بھی مجھکو آرزوئے دِید ہے
گو مقدّر کا لِکھا ہو گا مگر
زندگی اُمید ہی اُمّید ہے

احساسِ نشاط

یہ جہاں فانی سہی - بے رس نہیں
روز و شب فریاد میرا بس نہیں
کیوں نہ میں روشن کروں شمعِ نشاط
میرا دِل انبارِ خار و خس نہیں

تہذیب کی معراج

جس کو میں نے ریشمی فرغل دئے
اُس نے بخشا ہے مجھے دامانِ چاک
کیا یہی تہذیب کی معراج ہے؟
جمع کرتا ہوں زر، پاتا ہوں خاک

جُدائی

شیشم کی ایک شاخ سے جب فاختہ اُڑی
پتّوں نے سر پٹخ کے کہا۔ "جلد لوٹیو"
مَیں جا رہا ہوں اور تمھیں کچھ خبر نہیں
دیہات کے اُداس پہاڑوں کی چوٹیو!

سرزنش

پنگھٹ پہ کل کسی نے مِرا ہاتھ تھام کر
یوُں آنکھ بھر کے دیکھا کہ مَیں لڑکھڑا گیا
چنگاریاں چمکنے لگیں دِل کے آس پاس
اِک بھوُلا بسرا عہد مجھے یاد آ گیا

ڈور کٹ گئی

نیلی فضا میں اُڑتا رہا اک حسیں پتنگ
جب ڈور کٹ گئی تو وُہ یُوں دُور گر گیا
جیسے مرا نیاز — کہ جب تم چلے گئے
چبھتے تفکّرات کے نرغے میں گھر گیا

نااہل

یہ سب غلط کہ حُسن سے بیزار ہے نگاہ
یہ جھُوٹ ہے کہ سینے میں اب دِل نہیں رہا
لیکن دُکھوں کی آگ میں جل جل کے یہ ندیم
واللہ! ترے لطف کے قابل نہیں رہا

اِنتظار

اُف یہ طویل رات یہ پُر ہول ظلمتیں
بیٹھا ہوں کتنی دیر سے آغوش وا کیے
آرائشِ جمال میں تم ہو ابھی مگن
اور میں نے آسمان کے تارے بھی گِن لئے

مشینوں کا زمانہ

یہ گیت دَب نہ جائیں مشینوں کے شور میں
اُونچے سروں میں گا کہ کوئی کان بھی دھرے
نعروں سے اپنے سقفِ فلک میں شگاف ڈال
لِللہ اِس جمودِ کہن کو جھٹک پرے

ماضی کی چٹکی

زلفوں میں بوندیوں نے ستارے سے چن دئے
وہ اوڑھنی ہوا کے تھپیڑوں میں پھڑپھڑائی
سینے پہ میرے کس کی تجلّی کے ہیں خطوط
یہ کس نے دل میں چٹکی سی لی کس کی یاد آئی

جھپک

دیکھتی جا بس اسی انداز سے
دِل تڑپنا بھول کر سو جائے گا
چشمِ میگوں تو اگر جھپکی کبھی
اِک ذرا سی جاں کا خوں ہو جائیگا

بازیچہ

میرے دِل کی بس وُہی حالت ہوئی
جب وہ آیا مُسکرایا۔ چل دیا
جیسے بچّے نے شگفتہ پھول کو
توڑ کر سونگھا۔ نچایا۔ مَل دیا

دَاغہائے دِل

جب تصوّر میں صبُوحی مسکرائے
یُوں چمک اٹھتے ہیں میرے دل کے داغ
شام کے ہنگام جیسے اے ندیم
جھلملاتے ہیں دُھندلکوں میں چراغ

دو حالتیں

حسنِ محوِ خواب کے سیلاب میں
نیند پلکوں سے ٹپک کر بہ گئی
تم نے جب آنکھیں ملیں انگڑائی لی
زندگی اِک خوابِ بن کر رہ گئی

مژدۂ بہار

تند ہوائیں مست گھٹائیں آئیں جائیں دھوم مچائیں
شاخوں پر البیلی چڑیاں چونچ سے چونچ ملا کر گائیں
اے دوشیزہ، آنکھیں مل کر رقص کر اور کونین پہ چھا جا
جانے کب یہ دل رُک جائے، جانے کب نبضیں تھم جائیں

عبرت

پھُول کی اک پژمردہ پتّی، گھاس پہ بیٹھی ہانپ رہی ہے
نئی نویلی ایک کلی شاخوں میں چھپ کر کانپ رہی ہے
دیکھ کے ایک بھکارن کو اِک مرد آگے ہاتھ بڑھائے
شہزادی زلفیں بکھرا کر اپنا سینہ ڈھانپ رہی ہے

فراق کا جادُو

سُورج اُبھرا اور اُفق پر پھیل گیا رنگین اندھیرا
کھوئے کھوئے ویرانوں کو ایک گلابی دھُند نے گھیرا
تیری جدائی میں اے پیاری دِل میرا ہے ونق سی طاری
جیسے اِک سُوکھی ڈالی پر اِک چنچل چڑیا کا ڈیرا

ویراں قبر

دفن ہے اس مٹی میں وُہ دِل جس میں عشق کا دوزخ بھڑکا
اے بجلی بادل سے اُتر کر اِس ڈھیری کا بوسہ لے لے
جینے جی جس بدقسمت نے اِک لمحہ بھی چین نہ پایا
بہتر ہے مر کر بھی اُس سے کوئی تُند بگولا کھیلے

اعترافِ شکست

خاک نشیں پر رحم نہ فرما۔ قصرِ حسیں میں رہنے والی
جڑ کی آخر کیا سُدھ لے گی سرو کی سب سے اُونچی ڈالی
تو پھولوں پہ سونے والی۔ مَیں کانٹوں میں بسنے والا
تیرا حُسن نہیں کر سکتا میری محبّت کی رکھوالی

محبّت کھیل نہیں!

کھیل نہیں ہے عشق کی بازی، دِل دینا آسان نہیں ہے
نوک پہ تنکے کی ہلتا ہے روئی کا باریک سا دھاگا
کوئی مرے جی میں کہتا ہے یہ تو ہوس ہے۔ عشق نہیں ہے،
دیا جلا۔ پروانہ آیا۔ دیا بجھا۔ پروانہ بھاگا

شعبدہ باز

نرالے شعبدے دکھلا رہے ہو
ابھی پنہاں، ابھی پیشِ نظر ہو
کبھی نزدیک تر ہو دُور رہ کر
کبھی نزدیک ہو کر دُور تر ہو

بے خوابیاں

شبوں کو کنواریاں بکتی ہیں لیکن
شبوں کو جاگنے والے کہاں ہیں
نشے جن میں غلامی کے ہیں پنہاں
مِری آنکھوں پہ وہ نیندیں گراں ہیں

دُکھوں کا دلاسا

مِرا ہمدم گیا پردیس جب سے
درِ دل کھول کر بیٹھا ہوں تب سے
دُکھی ہوں پھر بھی بہلاتا ہوں اکثر
دُکھوں کو خندہ ہائے بے سبب سے

پروازِ لامحدود

نہ کر محدود میرے دل کی پرواز
مجھے بیگانۂ پرہیز کر دے
خس و خاشاک ہر سُو اُڑ رہے ہیں
مِرے شعروں کے شعلے تیز کر دے

بایں شکستہ پری

مجھے معلوم ہے اپنی حقیقت
مجھے اپنے مقدّر کی خبر ہے
شکستہ پر سہی لیکن مِرے دوست
مِری دونوں جہانوں پر نظر ہے

فرقِ مراتب

مجھے بھی چاہئے توفیقِ پرواز
مَیں تیرا ہم خیال و ہم زباں ہُوں
مگر حجروں میں گم ہے تیری فریاد
میں تپتے دشت میں نوحہ کناں ہوں

تعجّب!

نظر حیران ہے ششدر ہے احساس
سمجھ میں راز یہ اب تک نہ آیا
جسے مَیں نے بھلایا زندگی میں
اُسی نے بڑھ کے سینے سے لگایا

نہ گا!

نہ گا اے مطربہ یہ نغمۂ شوق
مِرا زخمِ جگر بہنے لگے گا
زمیں کا تِنکا تِنکا ذرہ ذرہ
پُرانی داستاں کہنے لگے گا

پُردَردجوانی

جوانی کی کہانی ختم کر دے
مجھے یہ ذکر ہو کیونکر گوارا
خلاصہ یہ ہے میری بے لبسی کا
جواں تھا اور جواں نظروں نے مارا

کافر گھٹائیں

افق پر ابر گھرتا آ رہا ہے
دھندلکا چار جانب چھا رہا ہے
مرے برباد دِل کی خلوتوں میں
کوئی دھیمے سُروں میں گا رہا ہے

بے چارگی

امیروں کی خوشامد لازمی تھی
مجھے یہ کام تک کرنا نہ آیا
مِری بے چارگی کیا پوچھتے ہو
مجھے جینا تو کیا۔ مرنا نہ آیا

جینے کا عزم

دما دم چاک ہائے دِل سیئوں گا
لہو اپنی امید دل کا پیوں گا
مگر دعوت نہ دُونگا موت کو مَیں
جیوں گا مَیں جیوں گا مَیں جیوں گا

چارہ گروں سے

مری بالیں سے اُٹھ کر یُوں نہ روئے
نہ اب دِل میں غمِ دیرینہ لے آئے
مَیں اپنے آپ سے آنکھیں ملا لُوں
صبُوحی سے کہو، آئینہ لے آئے

آخری فیصلہ

الہٰی، فیصلہ صادر بھی فرما
تمنّاؤں کا قصّہ پاک کر دے
تذبذب میں نہ رکھ میرے جنوں کو
مجھے اپنا بنا۔ یا خاک کر دے

یادِ ماضی

جبیں بے رنگ۔ کاکل گرد آلود
لبوں پہ پپڑیاں، گالوں پہ سایا
تری آنکھوں کے ڈورے سُرخ کیوں ہیں؟
تجھے کیا عہدِ ماضی یاد آیا!

عشقِ رُسوا

کرے کیا شیوۂ رندانہ میرا
ازل سے ہے تہی پیمانہ میرا
کِسے جا کر سُناؤں کیوں سُناؤں!
بہت بد نام ہے افسانہ میرا

وفورِ شوق

تری آنکھوں کے تارے بجھ گئے کیوں
اندھیرا کیوں ہے پہنائے جہاں میں
مجھے اِس راہ پر کِس نے لگایا
بھٹکتا پھر رہا ہوں آسماں میں

رس کا لوبھی

کنول کا پھول کھل کر مسکرایا
اُدھر سے ایک بھونرا گنگنایا
گھڑی بھر چوس کر رس پر سنوارے
اُڑا اور اُڑ کے پھر واپس نہ آیا

سینہ خالی آنکھیں ویراں

سحر زا اب صدائے چنگ نہیں
اور پھولوں میں کوئی رنگ نہیں
سوچتا ہوں کہ جی رہا ہوں کبھی
میرے دل میں کوئی اُمنگ نہیں

سیلابِ تجلّی

سانس لیتے ہوئے جھجکتا ہوں
آپ اپنے سے بدگماں ہوں آج
کس کی زلفیں ہیں میری باہوں میں
کوئی بتلائے میں کہاں ہوں آج

شہیدِ التفات

تُو نے جب التفات سے دیکھا
ذرّے یُوں اُڑ گئے مِرے دِل کے
جیسے ٹوٹی ہوئی کوئی کشتی
ڈوب جائے قریب ساحل کے

آنکھوں کا ناٹک

آنسوؤں کی لڑی پرونے لگی
اپنے بربط کے تار دھونے لگی
میری آنکھوں میں اُس نے کیا دیکھا
مطربہ گاتے گاتے رونے لگی

سُست رَو چاند

اَب تِرا انتظار ختم ہُوا
دِل میں وہ ولولہ نہیں ہے اب
کِس قدر سُست رَو ہے چاند مگر
تھا جہاں شام کو، وُہیں ہے اب

سنہرا رقص

تو نے یہ رقص کر کے رقاصہ
دِل پہ ماضی کے نقش اُبھار دئیے
اُف ترے جسم کے سنہرے خطوط
تُو نے آنکھوں میں تیر مار دئیے

ابتدا

ابھی تو چند بگولے اُٹھے تھے صحرا میں
غبارِ راہ میں کیوں کارواں بھٹکنے لگا
ابھی تو آئیں گے پُرخوف آندھیوں کے پرے
ابھی سے کانٹا سا کیوں قلب میں کھٹکنے لگا

؟

یہ کس نے سر پہ ستاروں کا شامیانہ تنا
یہ کس نے پاؤں میں سبزے کا فرش پھیلایا
یہ کس نے رات کی مسحور کن خموشی میں
مجھے جگا کے شرارہ سا دل میں چمکایا

غلط اصطلاحیں

اسے برات بھی کہتے ہیں عام لوگ مگر
ہماری مست جوانی کا یہ جنازہ ہے
وہ میرے خوں بھرے اشکوں کے چند چھینٹے ہیں
جو اس کے بھیگے ہوئے عارضوں پہ غازہ ہے

اے غلام!

مرے ندیم! خدا را مجھے غلام نہ کہہ
مرے جگر میں دہکنے لگے ہیں انگارے
وہ چاند اُفق پہ گھٹاؤں میں چھپ کے رونے لگا
وہ پھڑ پھڑا کے پروں کو دبک گئے تارے

مجبورِ مفلس

لگان دوں گا۔ مگر میرے پاس خاک نہیں
کوئی سبیل نہیں دو روز میں نکالوں گا
غریب ہوں مگر اب گالیاں نہ دیجے مجھے
میں اپنی بیٹی کے دو بُندے بیچ ڈالوں گا

ایک ریڈیو آرٹسٹ سے

یہ ریڈیو پر مرے گیت گائے ہیں تُو نے
کہ میری رُوح کو الفاظ کا دیا ملبوس
مغنّیہ میں تجھے اور گیت لِکھ دُوں گا
انہیں شراروں سے جلتے ہیں قلب میں فانوس

ایک اشارہ

بزمِ دشمن میں مری آمد پہ کیوں حیراں ہو تم
میں نہ چھیڑوں گا محبّت کی پُرانی داستاں
بس یہ بتلا دو مجھے۔ کیا اب بھی تُم کو یاد ہیں
وُہ کھنڈر کے پاس بھرّائی ہوئی سرگوشیاں

دِن کا چاند

مدّتیں گزریں کہ جب آباد تھا پہلو مِرا
جب تِری ہستی تھی دارائے زمین و آسماں
اب نظر آتا ہے یُوں مجھ کو تِرا عکسِ جمیل
جیسے دِن کا چاند آسیبی دُھندلکوں میں نہاں

لمحۂ فرصت

کٹ چکی جب فصل اور دہقان سستانے لگے
اِک کھنڈر کے پاس وہ یوں آئی کترا تی ہوئی
جیسے اِک ہلکی سی بدلی، ابر چھٹ جانے کے بعد
اُودے پربت کی طرف جاتی ہے اٹھلاتی ہوئی

لاہور اور انگہ

ہیں ترے لاہور میں لارنس باغ اور شالامار
میرے گاؤں میں فقط پتھریلی گلیاں ہیں ندیمؔ
لیکن اس لاہور کے ہر پھول میں ہیں خار زار
اور مرے گاؤں کے ہر کنکر میں کلیاں ہیں ندیمؔ

ایک مختصر افسانہ

شہنائیوں کے شور میں ڈولی جونہی اُٹھی
اِک نوجواں کہیں سے پکارا۔ "مجھے بچاؤ"
ڈولی سے سر نکال کے بولی حسین دُلہن
"کیا دیکھتے ہو۔ جاؤ بھی للّٰلہ! جاؤ! جاؤ!"

بس کر

مَیں تیرے التفاتِ فراواں سے تھک گیا
ساغر کا دَور روک لے اے ساقیٔ جمیل
آخر وُہ مست بھی تو کھڑے ہیں سبو بدست
جن کے لبوں کو راس نہیں موجِ سلسبیل

خاموش طوفان

اُف کِس قدر خموش ہے یہ نصف شب کا دَور
اُف کِتنی گہری سوچ میں ہے غرق کائنات
لیکن یہ میری روح کی تاریکیوں میں کیوں
طوفان بن کے گونج رہے ہیں تصوّرات

آمدِ شباب

مہندی رچا کے پاؤں ہیں۔ یہ ناچنے کا شوق
زلفوں میں شانہ پھیر کے یہ بھاگنے کی دُھن
شاید کسی کی مست جوانی کے ہیں نشاں
یہ صبح صبح سونے کی۔ شب، جاگنے کی دُھن

نوجوان بھکارن

کل عید پڑھ کے نکلا جو مَیں عیدگاہ سے
دامن سے میرے ایک بھکارن چمٹ گئی
اِک پیسہ مَیں نے اُس کی ہتھیلی پہ دھر دیا
خوش ہو کے مُسکرائی۔ لجائی۔ سمٹ گئی

تیز رَو رات

جانے وہ کِس خیال میں اس درجہ محو ہے
دیکھا نہیں ندیمؔ نے جی بھر کے روئے یار
وُہ صبح چاک چاک گریباں لئے اُٹھی
اے رات! تیری تیز رَوی پر خدا کی مار

برکھا کے دو رنگ

وُہ چھا رہے ہیں فضاؤں میں سُرمئی بادل
وُہ تند و تیز ہواؤں کا ساز بجنے لگا!
وُہ دِل کی بجھتی ہوئی آگ سے دُھواں اُٹھ کر
تصوّرات کے آکاش پر گرجنے لگا!

دُعا

شبوں کو نہریں سی انوار کی بہاتا رہے
جبینِ چرخ پہ تاشہ جگمگاتا رہے
مری صبوحی کے بالوں میں کرنیں بنتا ہے
الٰہی! چاند جہاں جائے مُسکراتا رہے

التماس

اُف یہ بیمار کھجوروں کا المناک سکوت
اے مرے سینے میں مچلے ہوئے فتنے تھم جا
دھڑکنیں تیری، خراشیں ہیں رُخِ فطرت پر
سنگ کی طرح، جہاں کانپ رہا ہے۔ جم جا

خوابِ سحر

وہ پگڈنڈی پہ کس کے تیز گھوڑے کا غبار اُٹھا
وہ کس کے ریشمی کپڑے ہوا میں پھڑپھڑاتے ہیں
مجھے چاروں طرف ایسا نشہ محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے صبح کی دھندلاہٹوں میں خواب آتے ہیں

اضطراب

بجھا دو آہ، یہ کافوری شمعیں
گلوں کو روند دو، سیجیں اُٹھا دو
اُنہیں اِک اور جنّت مِل گئی ہے
مرے فردوس کو دوزخ بنا دو!

بحرِ عشق

کئی اُٹھے محبّت کے مفسّر
کوئی اس راز میں کامل نہ پایا
تہوں سے سیپیاں چنتا رہا میں
مگر اس بحر کا ساحل نہ پایا

مَیں شاعر ہوں

مرے افکار میرے پاسباں ہیں
مرے جذبات میرے رازداں ہیں
مرے بس میں ہے تقدیرِ دو عالم
مری زد میں زمین و آسماں ہیں

پیمانِ شاعر

چُن لاؤں گا ستارے بساطِ فلک سے میں
اِک آسماں نیا میں زمیں پر بناؤں گا
یہ چند دھڑکنیں ہیں اگر آپ کو پسند
مَیں اس چمن میں اور شگوفے کھلاؤں گا

مطبوعات اُردو اکیڈمی لاہور

کیلے کا چھلکا: سندباد جہازی کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ۔ زبان کی سلاست اور شیرینی کا کمال ——— مجلد عم

دروازہ: کرشن چندر ایم۔اے۔ اُردو کے مشہور افسانہ نگار کا ڈرامائی کمال۔ ایک ایکٹ کے ڈراموں کا مجموعہ ——— مجلد عہ

مزاحیہ ڈرامے: انگریزی۔ فرانسیسی۔ رُوسی اور ہسپانوی ادب کے چھ بہترین مزاحیہ ڈراموں کا دل آویز ترجمہ از خلیل صحافی بی۔اے۔ مجلد عم

گرد و پیش: ۱۹۴۰ء میں لکھے گئے ایسے بہترین افسانوں کا مجموعہ جنہیں خود لکھنے والوں نے اپنا شاہکار قرار دیا۔ افسانہ نگاروں کے خود نوشت مختصر حالات بھی شامل کتاب ہیں ——— مجلد عہ

گفت و شنید: بشیر ہاشمی صاحب کے دل آویز مضامین کا مجموعہ جو لاہور ریڈیو سے پڑھے گئے اور پبلک کے بیحد اصرار پر کتابی صورت میں شائع کئے گئے ہیں ہر مضمون لطافت و مزاح کا مرقع ہے ——— مجلد عہ

مطبوعات اردو اکیڈمی لاہور

جدید جغرافیہ پنجاب مزاحیہ کتابوں کا سرتاج۔ حضرت سندباد جہازی کا شاہکار۔ یعنی پنجاب کی سیاسیات پر بے حد اچھوتے انداز میں ایک دلاویز تبصرہ۔ جس کی نظیر ہندوستان کے ادب میں نہیں ملتی۔ (عہ)

مطائبات سندباد جہازی کے فکاہی مضامین کا مجموعہ۔ جسمیں اکثر سیاسی اور معاشرتی مسائل پر نہایت لطیف انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے (عہ)

ہلال و صلیب ادیب شہیر ایم اسلم کا تازہ شاہکار۔ قرون اولیٰ کی تمام صلیبی جنگوں کا آئینہ۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی مکمل سوانح حیات۔ اور نایاب فوٹو۔ نقشہ جات جنگ۔ دیباچہ میں حفیظ جالندھری کی شعلہ آفرین نظم (عہ)

دو ڈاکٹر ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر عالم کے متعلق سندباد جہازی کے مضامین جنہیں کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ سیرت نگاری کا یہ انداز اردو میں انوکھا ہے (۸)

تصویر کشمیر ابوالاثر حفیظ جالندھری کی تازہ نظم جسمیں جنت کشمیر کی قدرتی بہاروں اور شاہان سلف کی یادگاروں کے ساتھ ساتھ باشندگان کشمیر کی اصلی حالت کو بھی بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب (۸)

دین محمدی الیکٹرک پریس مکلوڈ روڈ لاہور